حسینؑ، سید الشہداء

ترجمۂ مضمون کتاب ''اسوہ ہائے جاوید'' (فارسی) مصنفۂ پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ

مترجمہ بنت زہراء نقوی ندیٓ الہندی معلمہ مکتبۃ الزہراء، لکھنؤ

امام حسنؑ نے ''صلح'' کو جنگی حکمت عملی (اسٹریٹجی) بنایا تھا اور امام حسینؑ نے ''شہادت'' کو، مگر یہ دو الگ نقشے نہیں ہیں بلکہ انھیں ایک ہی نقشہ کے ''دو حصے'' سمجھنا چاہئے۔ ۶۱ھ میں حضرت معاویہ، یزید کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور امام حسنؑ کی ماہرانہ جنگی حکمت عملی کے نتیجہ میں ''نفاق'' کے چہرہ کو اپنی آڑ میں چھپانے والی نقاب پارہ پارہ ہوچکی تھی۔ امام حسینؑ کے لئے یہی موقع تھا کہ براہ راست مقابلہ کرکے یزیدیت کو اپنے خون کے سمندر میں غرق کرکے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

امام حسینؑ نے مقابلہ کیوں کیا؟

اسلام کے خط مستقیم سے انحراف کم و بیش پیغمبرؐ اسلام کے بعد ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ ''امامت'' کو کنارے کرکے اس کی جگہ ''خلافت'' نے لے لی تھی مگر معاویہ کے زمانے سے ''خلافت'' بھی تبدیل ہوکر ''سلطنت'' کی شکل میں آگئی تھی اور دنیائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کا نظام رائج ہوگیا تھا اور یہ ابوسفیان کا خون اور تہذیب قیصر و کسریٰ کا وارث ''خلیفۃ المسلمین'' کے نام سے مسند خلافت پر قابض ہوکر ایک خطرناک تغیر کو جنم دے رہا تھا اور قالب اسلام میں جاہلیت کا زہر پھیلا رہا تھا اور اسے ''دین محمدی'' کے نام سے پیش کررہا تھا۔ اس بات کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ چند ہی نسلوں میں اصل اسلام، طاقِ نسیاں کی زینت بن جائے گا اور بدکار حکمرانوں کا کردار نمونۂ اسلامی سمجھا جانے لگے گا۔

اس خطرے کے احساس سے معاشرہ قطعی بے تعلق تھا۔ اس پر حالات ایسے تھے کہ معاشرے کے اندر ''حق'' پر ''مکاری'' کو اور ''حقانیت'' پر ''سیاست'' کو فتح حاصل تھی، ''عرفان'' پر ''جہل'' غالب تھا۔ اسلامی قلمرو کے اکثر علاقوں کے عوام جو حجاز سے کافی فاصلے پر تھے حقیقت اسلام سے ناواقف تھے، دمشق کے محل میں تخت سلطنت پر ٹھاٹ سے بیٹھنے والے خلیفہ کو وہ مجسمۂ اسلام سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کھڑے ہونے کو وہ ''رہبر اسلامی'' کے خلاف بغاوت سمجھتے تھے۔ حجاز، مکہ، مدینہ، عراق اور خراسان کے عوام نسبتاً زیادہ آگاہی رکھنے کے باوجود اتناعی حالات سے خوفزدہ تھے۔ ایک تنہا کوفہ بچا تھا مگر وہ شام کی منظم فوج سے مقابلہ کا متحمل نہ تھا۔ ''مرجئی''، ''صوفی'' اور ''جبری'' جیسے نئے نئے فرقے اور مسلک اپنے رنگا رنگ نظریات و قیاسات کے متعلق عوام کے سامنے طرح طرح کی توجیہیں اور جواز پیش کررہے تھے۔ ۶۱ھ کے دوران تقریباً ایسے ہی حالات کا

وجود تھا اور عوام کے ذہنوں کو سلا دینے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

امام حسینؑ ان حالات سے مقابلہ، دین کے مورچہ کی حفاظت، اسلام کی اصلیت کے تحفظ، ظلم اور استبداد کو مٹانے اور اسلام کو محل نشین خلیفہ کے پنجہ سے آزاد کرانے کے لئے حق پرستوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب پیروانِ حق کے لئے باطل کی قوتوں پر فتح پانا ممکن نہ تھا، ظلم کو اس طرح رسوا کرنا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ اس کا نام ونشان مٹ جائے، جس وقت فوجی قوت سے بساط ظلم پلٹنا ممکن نہ ہو، اس وقت شہادت اختیار کرنا چاہئے۔ یعنی اپنی اور اپنے عزیزوں کی زندگی کو قربان کر کے ظلم کو رسوا اور ظالم کو بے نقاب کریں۔ لہٰذا امام حسینؑ نے اسی طریقہ کا انتخاب کیا۔

البتہ امام حسینؑ کے مقابلہ پر اس وقت تین قسم کے گروہ اور تین انداز کے طرزِ فکر تھے:

(الف) **یزیدی**— وہ لوگ جو حق کے مقابلہ میں مورچہ بند، بندۂ ظلم وجور، صاحبان زر وزور، خودسر اور ستمگر لوگوں کے نمکخوار تھے۔

(ب) **گروہ ناصحین وموافقین**— جو سمجھوتے، نرمی اور مصلحت اندیشی کے حق میں تھے۔

(ج) **عام لوگ**— جو ان معاملات سے بے خبر اور صرف ایک تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے۔

تاریخ میں جب بھی حق وباطل کے درمیان جنگ ہوئی ہے، ہر بار ان تینوں گروہوں کا وجود بھی ملتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ متذکرہ بالا گروہ دوم سے متعلق تھے انھوں نے امام حسینؑ کو نصیحت کی اور مشورہ دیا کہ وہ مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے یزید سے سمجھوتہ کر لیں، مگر امام حسینؑ شہادت اور قربانی کی راہ کا تعین کر چکے تھے لہٰذا وہ اسی راہ پر آگے بڑھے اور اپنی امامت کی خصوصیت کو انھوں نے برقرار رکھا۔

شکست میں فتح

بہ ظاہر کربلا کی جنگ آدھے دن میں ختم ہوگئی۔ تمام انقلابی شہید ہوگئے سوائے کربلا کے ان چند پیغامبروں کے جو پیغام کے پہنچانے کی ذمہ داری کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ حالانکہ انقلابی شہداء، کربلا میں اپنے خون میں غلطاں محوِخواب تھے مگر انقلاب بیدار ہو چکا تھا۔ پیروانِ دین خاک وخون میں لت پت پڑے تھے مگر دین نجات پا چکا تھا۔ بہ ظاہر یزید کو فتح ضرور حاصل ہوئی تھی مگر تاریخ کی گہرائی میں وہ ایک بدترین شکست خوردہ انسان تھا اور حسینؑ کو شکستِ ظاہری کی صورت میں ایک عظیم ترین فتح حاصل ہوئی۔ موت نے اپنے ہاتھوں سے انھیں حیات ابدی کا تحفہ پیش کیا۔

کربلا میں حسینؑ اور حسینیوں کے کارہائے نمایاں کا نتیجہ کیا ہوا؟ حسینؑ نے شکست کھائی یا فتحیاب ہوئے؟

ہر تحریک اور اقدام کی شکست وفتح کو اس کے مقاصد (کی کامیابی اور ناکامی) کے لحاظ سے طے کرنا چاہئے۔ حسینؑ کی شہادت سے یزید کے تین مقاصد تھے۔ پہلا مقصد تھا آوازِ حق بلند کرنے والوں کا گلا گھونٹ کر صدائے حق کو دبا دینا، دوسرا مقصد تھا نظامِ اموی اور خاندان

ابوسفیان کی ہر مخالفت کو کچل دینا، اور تیسرا مقصد تھا ابوسفیان کی نیابت میں ''اسلام محمد ﷺ'' سے انتقام لینا۔ مگر ان میں سے اس کا کوئی مقصد بھی پورا نہیں ہوسکا اور خون حسینؑ نے نقیبانِ حق کی فریاد و احتجاج کو پرزور بنا دیا۔ شہادت حسینؑ تختِ اموی کو متزلزل، اموی سیاسی طاقتوں کو سو سال سے بھی کم عرصہ میں فنا اور تاریخ میں یزیدیت کو ذلیل و خوار کرنے کا موجب بن گئی اور صدائے حق بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔

اس کے مقابلے میں امام حسینؑ کا مقصد ''حقیقی اسلام'' کو ''حکومتی اسلام'' سے جدا کر دینا تھا تا کہ یزیدیوں کے عمل کو ایک فاسد حکمراں کا کردار ہی سمجھا جائے، اس پر اسلامی نمونہ کا دھوکا نہ ہو۔ امام حسینؑ نے اپنے ارادہ اور اپنے مقصد کو قوت بخشی اور سرحدِ اسلام پر اپنے ''خون'' کی گہری اور انمٹ لکیر کھینچ کر اسلام کو حکمرانوں کے کردار سے جدا کر دیا۔ بہت سے مسلمان یزید سے قبل کے خلفاء کے کردار کو ''اسلام کا نمونہ'' اور ''سند'' سمجھتے ہیں، مگر قربانیِ حسینؑ نے یزید اور دیگر حکمرانوں کے کردار اور مثالی کردار اسلامی کے درمیان جو بعدِ مشرقین تھی اسے اظہر من الشمس کر دیا، یہاں تک کہ اہلسنت بھی یزید اور بعد کے خلفاء کے کردار کو مستند نہیں مانتے۔

امام حسینؑ کا مقصد تاریخ میں یزید کو رسوا کرنا، حقیقتِ اسلام کا تحفظ اور اسلام کے سچے پیغام کو بطور امانت تاریخ کے حوالے کر دینا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یزید اپنے کسی مقصد میں بھی کامیاب نہ ہوسکا جب کہ حسینؑ اپنی شہادت کے ذریعہ اپنے ہر مقصد میں کامیاب رہے اور یہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ کربلا کی جنگ میں جسے عظیم ترین فتح حاصل ہوئی، وہ حسینؑ تھے اور جسے بدترین شکست نصیب ہوئی اور جو نیست و نابود ہو گیا وہ یزید تھا نیز یزیدیت تھی۔ یہ ایک امر مسلّمہ ہے کہ جو فتحیاب ہوتا ہے، وہ پشیمان نہیں ہوتا اس کے برعکس جو شکست کھاتا اور نقصان اٹھاتا ہے وہ حسرت اور پشیمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہم تاریخ سے پوچھتے ہیں کہ پشیمان کون ہوا: حسینؑ یا یزید؟ یہ معرکہ صحرائے کربلا میں فتح و شکست کے تولنے کا ایک معیار ہوسکتا ہے۔

ابھی کربلا کی جنگ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ یزید نے اسیران کربلا کو مدینہ واپس بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ دمشق اور جہان اسلام کے تمام اطراف و جوانب میں شہیدوں کے لہو کے قطروں سے انقلاب کے پھول کھلنے لگے ہیں۔ اسیرانِ کربلا کی واپسی یزید کی پشیمانی اور احساس شکست کی علامت ہے۔ زینبؑ وسجادؑ کی خواہش ہے کہ یادِ حسینؑ و یاد کربلا ہمیشہ زندہ رہے جبکہ یزیدی چاہتے ہیں کہ ''کربلا'' جلد از جلد ذہنوں سے محو ہو جائے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ شہیدوں کے خون کی طغیانی میں انہیں اپنی فتح تنکے کی طرح بہتی اور خطرناک امواجِ شکست اپنی جانب بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

واقعات کربلا کو ابھی پانچ برس بھی نہ گذرے تھے کہ یزید واصل جہنم ہوا اور اپنے باپ اور دادا کے تخت پر یزید کا بیٹا معاویہ آیا۔ اس کے برسرِ اقتدار ہوتے ہی خاندان ابوسفیان کی سلطنت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ مروان اور اس کی اولاد نے زمام حکومت سنبھالی۔ مگر انہیں نئے انقلابات کا سامنا کرنا پڑا اور تمام تحریکوں کو لے کر اٹھنے

والوں کا نعرہ تھا: ''انتقام خون حسینؑ'' چنانچہ انقلاب مختار،
قیام ابراہیم، قیام توابین وسلیمان بن صرد خزاعی وزید و یحییٰ
وغیرہ نے اموی حکومت کو لرزہ براندام کردیا یہاں تک کہ سو
سال سے بھی کم عرصہ میں بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی
جگہ حسینؑ اور طلبگارانِ انتقامِ خونِ حسینؑ کے نام پر عباسی
برسرِ اقتدار آگئے۔

امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے؟ اس لئے کہ امت
کو بیدار کریں۔ امام حسینؑ اپنی سچائی کے ذریعہ اور اپنا خون
بہا کر اُمتِ اسلامی کو خوابِ غفلت سے چونکانا چاہتے تھے،
کربلا کے واقعات سے پہلے لوگوں کی بے تعلقی اس حد تک
پہنچ چکی تھی کہ جمعہ کی نماز خلیفہ نے بدھ کے روز پڑھوائی اور
سبھوں نے پڑھی، مگر کربلا کے بعد یہ تمام انحرافات اور
تحریکیں سو سال سے بھی کم عرصہ میں ختم ہوگئیں۔

کربلا میں خون کا ایک دھماکہ ہوا اور اس عظیم دھماکہ کی
لہروں نے تمام قلمرو اسلامی میں پھیل کر ایک لرزہ پیدا کردیا۔
عرصۂ تاریخ میں یزید کو رسوا کیا یہی نہیں بلکہ اس عظیم دھماکہ
سے تاریخ کے سنگلاخ سینہ سے ایک ایسا چشمہ پھوٹا جس کی
روانی سے اسلام ہمیشہ ہمیشہ کسبِ حیات کرتا رہے گا۔

تاریخ میں کربلا کا دوام:
ہابیل اور قابیل کی طاقتوں میں تصادم

موسیٰؑ وفرعون وشبیرؑ ویزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
(علّامہ اقبالؔ)

اسلام جس کا اعتقاد توحید اور قیامت پر ہے دنیا کے
سلسلے میں خالق کے شعور، ارادہ اور مقصد کا بھی قائل ہے
اور ''وحدتِ تاریخ'' کو بھی مانتا ہے۔ تاریخ گذشتہ
واقعات کا ایسا مجموعہ ہے جو اتفاقی طور پر پیدا ہو کر ختم نہ
ہوجانے والی ہے بلکہ واقعات کا ایک تسلسل ہے جو پیہم
رواں ہے جیسے ایک کارواں، ایک چشمہ جو انسان کی زندگی
کے آغاز کے ساتھ جاری ہوا اور ایک مستقل روانی کے
ساتھ مخصوص سمت میں بہتا چلا جارہا ہے۔ اس چشمۂ امروز
وفردا میں ہر گذرا ہوا ''کل'' ایک ''آج'' کو جنم دیتا ہے۔
ہر حال ماضی کے پیٹ میں رہتا ہے اور ہر ماضی حال کی
''پیٹھ پر'' ہوتا ہے۔ روئے زمین پر تاریخ انسان کے
ساتھ حرکت کرتی ہے اور جو قدریں تاریخ پر حکمرانی کرتی
ہیں انھیں ''سنن الٰہی'' کہتے ہیں۔ ان ''سنن الٰہی'' میں
ایک یہ بھی ہے کہ ''حق'' ہمیشہ ''باطل'' سے نبرد آزما رہتا
ہے، ''علم'' ''جہل'' سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ ایمان کفر
سے مصروفِ جنگ رہتا ہے اور انحراف سے بنیاد الٰہی کی
کشمکش جاری رہتی ہے۔ یہ جنگ آدمؑ سے شروع ہوتی ہے
اور اس کے بعد سے تاریخ، کشاکشِ ہابیل وقابیل کے محور
پر گھومتی رہتی ہے۔ ہر دور ہر عہد اور ہر جگہ میں حق انبیاء
ومومنین کی سرکردگی میں باطل کے تاجداروں سے مصروف
پیکار رہا ہے۔ ابراہیمؑ ونمرود، موسیٰؑ وفرعون، اور محمد ﷺ
وابولہب وابوجہل وابوسفیان۔ یہ تمام مراحل ہمیشہ جاری
وساری رہتے ہیں، یہ جنگ ایک گزر جانے والی جنگ نہیں
بلکہ ایک تاریخی تسلسل ہے جو ہر دور میں دہرایا جاتا ہے۔

''حق'' و ''باطل'' کی یہ جنگ فلسفۂ تاریخ کا رخ

اسلام کی سمت موڑتی ہے۔ چنانچہ کربلا اس جنگ کی ایک عظیم تجلی اور نمایاں میدان ہے۔ جس نے ''حق'' و باطل کی جنگ کے ایسے ایسے پہلو اجاگر کئے ہیں کہ اس کے بعد سے ہونے والی ہر جنگِ ''حق'' و ''باطل'' کو کربلا سے منسوب کیا جانا چاہئے، کربلا ایک ایسا سرچشمہ ہے جو تاریخ بشر کے آغاز کے ساتھ جاری ہوا اور جو حال کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا مستقبل کی طرف بہتا چلا جارہا ہے۔

حسینؑ، روانیِ تاریخ کے وارث

''زیارتِ وارثہ'' درحقیقت فلسفۂ تاریخ کے بارے میں شیعی نقطۂ نظر کا اعلان ہے۔ یہ زیارت پکار پکار کر کہتی ہے کہ حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ پیوستہ تاریخ کی روانی کے وارث ہیں۔ حسینؑ اس پرچم کے وارث ہیں جو تاریخِ بشری میں باطل، ظلم، زور، انحراف اور جاہلیت کی قدروں کے خلاف ہونے والی جنگ میں ہاتھوں ہاتھ ہوتا ہوا حسینؑ تک پہنچا ہے۔ وہ وارثِ آدم، وارثِ نوح، وارثِ ابراہیم، وارثِ موسیٰ، وارثِ عیسیٰ، وارثِ حضرت محمدؐ، وارث علیؑ اور وارث حسنؑ ہیں۔ اگر قرآنی صفحات کا مطالعہ کرکے دیکھا جائے کہ ہابیل، نوح، ابراہیم اور موسیٰ کن قدروں کے علمبردار تھے اور کن قوتوں اور قدروں کے خلاف مصروفِ وغا تھے تو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں نسبتاً کمتر مگر ایک کربلا کا وجود تھا۔ زمانے کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے جب ہم قم کے عظیم مظاہرہ اور ۱۷ ارشہریور کی کامیابیوں اور خونین شہر و آبادان کے مناظر تک پہنچتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے

کہ ''کل'' کی کربلا کھنچ کر ''آج'' کے حالات میں ڈھل گئی ہے اور ہم یہ مان لیتے ہیں کہ کربلا کبھی ختم نہیں ہوسکتی اور کربلا کی تکرار ہر دور میں ہوتی رہے گی۔

بظاہر ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور حسینؑ کے درمیان قرنوں کا فاصلہ ہے، مگر حسینؑ براہ راست آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے وارث ہیں اور نمرود و فرعون صرف اپنی قوت کا استعمال کرنے والے ہیں جو ان انسانوں کو جنھیں صرف خدائے واحد کے آگے جھکنا اور اس کی عبادت کرنا چاہئے، اپنے آگے جھکانا چاہتے ہیں اور ان سے اپنی پرستش کروانا چاہتے ہیں۔ موسیٰؑ اسی اصول کے خلاف کھڑے ہوئے تھے اور فرعون سے ٹکرا گئے تھے تاکہ انسانوں کو طاغوت کی بندگی سے نجات دلائیں۔ لہٰذا موسیٰؑ نے دربار میں فرعون سے مطالبہ کیا:

''اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّی لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ'' (سورۂ دخان، آیت: ۱۸) [بندگان خدا کو مجھے واپس کردے، میں تیری طرف بھیجا ہوا خدا کا امین ہوں۔]

''اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ'' (سورۂ شعراء، آیت: ۲۲) [تونے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا ہے۔] حسینؑ بھی ظلم و جور، قوت واقتدار کے خلاف نبردآزما ہوئے اور ایک عظیم حکومت کے خلاف تن تنہا کھڑے ہوگئے۔ گویا حسینؑ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر تمہارے پاس دین نہیں ہے تو کم سے کم دنیا میں تو آزاد رہو۔

آج بھی انسان کی مخالف طاغوتی طاقتیں، مشرقی اور مغربی سامراجیت کی شکل میں، ریگن، برژنف اور صدام کی صورت میں کمزور قوموں کو جو یزید کے زمانے کے مسلمانوں

اور بنی اسرائیل کی مانند ہیں، اپنے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں اور حسینی طاقتیں یزیدانِ زمانہ سے برسرپیکار ہیں۔ پیروی حسینؑ میں مائیں اپنے کمسن اور جوان یعنی غلامان علی اکبر و علی اصغر کو اسلام پر قربان کر رہی ہیں۔ آپ غور کریں کہ آبادان اور خونیں شہر میں حق و باطل کے درمیان محاذ جنگ پر کیا ہو رہا ہے؟

موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کا ردِعمل کیا تھا؟ مادی طاقتوں کے ذریعہ حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کرنا: ''ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْہِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ۔ (سورۂ مومن، آیت: ۲۶) [فرعون نے کہا: ''چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کردوں، مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آیا وہ تم لوگوں کو نئے نظریات اور نیا عقیدہ دیتا ہے یا زمین پر فساد پھیلاتا ہے۔] امام حسینؑ بھی اسی ردِعمل سے دوچار تھے۔

ناسخ التواریخ کے مطابق:- یزید نے والیِ مدینہ ولید کو لکھا: ''اگر حسینؑ ابن علیؑ بیعت نہ کریں تو اس خط کے جواب میں ان کا سر میرے پاس بھیج دو'' جس وقت حسینؑ، یزید کے والی، ولید کے سامنے تھے، مروان نے کیا کہا؟ اس نے کہا: ''حسینؑ پر نظر رکھو تا آنکہ یا تو وہ بیعت کریں یا ان کا سر قلم کردو''[1] جواب میں امام نے کہا: ''وَیْلَکَ یَا ابْنَ الزَّرْقَاء، اَنْتَ تَأْمُرُ یَضْرِبُ عُنُقِیْ کَذَبْتَ وَلَؤُمْتَ'' یعنی ''اے ناپاک اور گندی اولاد! تو میری موت کا حکم دیتا ہے؟ خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا اور اس کے لئے تجھے ملامت بھگتنی پڑے گی۔'' (ناسخ التواریخ، حالات سید الشہداء، ص۱۵۶)

یزیدوں، فرعونوں، ریگنوں، آریا مہروں اور صداموں کا یہی شیوۂ مشترک ہے کہ اسلحہ کے زور پر نقیبانِ حق کو خاک و خون میں غلطاں کر دیتے ہیں تاکہ وہ موجودہ حالات کو اپنے موافق نہ بنا سکیں اور اسے وہ فساد اور بغاوت کا نام دیتے ہیں۔ اس کی واضح اور آشکار ترین تصویر کربلا میں پیش کی گئی۔ حسینؑ نے خون کے طاقتور طوفان سے دشمن کے اسلحے اور ثروت، اقتدار اور خیرہ سری کی اس تاریخی منطق کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس حسینی مہم کو گذرے چودہ سو برس ہو گئے مگر آج بھی جب کبھی کہیں حق باطل سے ٹکراتا ہے تو باطل اسی اصول پر کاربند ہوتا ہے اور پاسبانِ حق بھی محاذِ جنگ پر شجاعت کربلا دہراتے ہیں اور خون کے زور سے شمشیر پر فتح حاصل کر کے پیروی حسینؑ کرتے ہیں۔ اس طرح تاریخ کے دھارے پر کربلا کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

فرعون کے متعلق قرآن کہتا ہے: ''جَعَلَ اَہْلَہَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْہُمْ'' (سورۂ قصص، آیت: ۴)

''فرعون کے خاص جرائم میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ انسانوں کو نسلی اعتبار سے تقسیم کرتا تھا اور گروہوں کو دبائے رکھتا تھا۔''

۶۱ھ میں امام حسینؑ اسی قسم کے حالات سے دوچار تھے۔ جاہلیت کی بنیادیں، قومی اور قبائلی عصبیتیں دوبارہ سر اُٹھا رہی تھیں۔ امتِ اسلامی کے کمزور افراد ظلم و استبداد کا شکار تھے۔ ایسی صورت میں امام حسینؑ بھی حضرت موسیٰ کی طرح اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ امام حسینؑ آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ

کے وارث تھے۔ لیکن کیا آج امریکہ، روس اوران کے نمک خواروں کی سامراجیت کا مجرمانہ طرزِ عمل کچھ مختلف ہے؟ ایسے موقع پر وارثانِ مشعل کربلا اور پیروانِ حسینؑ آج بھی خمینی یا ان کی طرح باطل قوتوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ یہ ہے تاریخ کے امروز پر کربلا کی تکرار اور کربلا کا تسلسل۔

یزیدوں، فرعونوں اور نمرودوں کے عمل کے جواب میں حسینؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ اوران کے پیرووں کا رویہ کیا ہے۔ ان کا رویہ ایک ہی منطق سے ماخوذ رہا ہے یعنی ''لا'' اور ''الا''، ''ہاں'' اور ''نہیں''۔ ہر ''زور''، ''ستم''، ''باطل'' اور ''طاغوت'' کے مقابلے پر ''نہیں'' اور ''خدا'' ''حق'' ''انصاف'' اور ''سچائی'' کے سامنے ''ہاں''۔

حق کے انہیں علمبرداروں کی ''نہیں'' تاریخ کی جان اور قوت کا سبب رہی۔ یہی منطقی ''نہیں'' اور ''ہاں'' تھی جو زندگی میں تحرک وروانی قوت کا سبب بن گئی۔ ان حق کے علمبرداروں کے ہاتھ میں ''نہیں'' وہ شمشیر تھی جس نے زندگی کے تمام سماجی، سیاسی اور مذہبی بدبختیوں کو جڑ سے ختم کر دیا...... پیغمبرانہ ''ہاں'' ہمیشہ ایک ''نہیں'' کے ساتھ ہوتی ہے۔

حسینؑ کا انکار اور ''نہیں'' موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کی ''نہیں'' ہے۔ یہ نہیں توحید کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہے۔ اس میں ''ہاں'' بننے کا امکان نہیں پایا جاتا اس لئے کہ اگر یہ ''نہیں'' ''ہاں'' بن جائے تو جتنی چیزیں برائیوں کی نفی کرتی ہیں وہ سب اثبات میں بدل جائیں۔ ''نہیں'' تمام جھوٹے نقابوں کو تار تار کر کے اصل حقیقت کو جلوہ گر کرتی ہے۔ انسان اور عالم کا ارتقا بغیر اس ''نہیں'' کے ممکن نہیں ہے۔

آدمؑ کے وارثِ حسینؑ سے جب ابن زبیر نے پوچھا کہ اگر یزید بیعت کی دعوت دے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ''میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔'' (کامل ابن اثیر، ج ا ص ۷ طبع ۱۳۰۳ھ) آپ نے محمد حنفیہ سے مخاطب ہوکر اعلان فرمایا: ''یَا اَخِیْ وَاللّٰہِ لَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ الدُّنْیَا مَلْجَاٌ وَّ لَا مَأْوٰی لَمَا بَایَعْتُ یَزِیْدَابْنِ مُعَاوِیَۃَ''

[خدا کی قسم اگر میرے لئے ساری دنیا میں کہیں بھی امن اور پناہ کی جگہ نہ ہو تب بھی میں فرزند معاویہ کے ہاتھ پر ہرگز ہرگز بیعت نہ کروں گا۔]

حسینؑ کے اس انکار اور اس نہیں نے تاریخ کی بیکراں فضاؤں میں ابد تک کے لئے ایک گونج پیدا کر دی ہے۔ ''نہیں'' یعنی باطل، طاغوت، انحراف اور ہر اس چیز، ہر اس قوت کے مقابلے میں احتجاج جو حقیقت اور خدا سے ٹکراتی ہے اس کے بعد ''ہاں'' یعنی صرف خدا کے حضور میں اور منشائے الٰہی کے آگے اقرار۔

''ہاں'' اور ''نہیں'' یعنی ''اقرار'' و ''انکار'' کی یہی منطق ہے جو زندگی کو الکٹران (electron) اور نیوٹران (neutron) کے ابتدائی مراحل سے لے کر روحانی اور معنوی مراحل کی بلندیوں تک انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور حیات انسانی کی بقا کی ضامن ہے۔

واقعہ کربلا کے چودہ سو برس کے بعد آج بھی نسلِ حسینی کا ایک نائب امام ورہبر زمانے کے یزیدوں کے مقابلہ میں اسی ''نہیں'' کی تکرار کر رہا ہے۔ اس ''نہیں'' میں ایسا یقین ہے کہ جو بڑی بڑی جابر حکومتوں کا تختہ پلٹ سکتا ہے۔

حسینؑ کی پیرو ملت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ''کَاَنَّہُ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ'' ہے جو مشرقی و مغربی قوتوں کے مقابلہ پر کھڑی ''نہیں'' کی تکرار کررہی ہے اور نسلِ حسینی کا اپنے قبیلہ کی سنت سے وفاداری کا یہ عالم ہے کہ کربلا پھر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ فرعون قسم کے لوگ علمبردارانِ حق کی محکم حکمت عملی اور ان کی کامیابیوں کے خلاف طرح طرح کے بہتان، تہمتیں اور الزامات تراشتے ہیں۔ موسیٰؑ کو فرعون نے کبھی 'ساحر کذاب' کہا، کبھی 'اِنَّہُ لَمَجْنُوْن' یعنی دیوانہ اور کبھی بانیِ فساد ٹھہرایا۔ یزید بھی وارثِ موسیٰ حسینؑ کو باغی، فسادی اور ہنگامہ ساز وغیرہ مشہور کرتا ہے اور چودہ سو برس بعد آج بھی علمبردارانِ حق کو جن اتہامات والزامات کا سامنا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں باطل کے اصولِ جنگ، حربوں اور طریقہ کار میں سابقہ مماثلت باقی ہے اور زمانے کی تبدیلی بھی اس میں کوئی فرق نہ پیدا کرسکی۔

حالات کس قدر ملتے جلتے ہیں۔ یہ فرعونی حکمرانی کا دور ہے۔ اس کے قلمرو میں ہر ظلم وستم اور خود پرستی کی حکمرانی ہے۔ اس نے لوگوں کی آزادی سلب کررکھی ہے اور نقیبِ حق موسیٰؑ کو مصر سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

''فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

(سورۂ قصص، آیت: ۲۱)

اور اب یزیدی دور ہے، اسلامی قلمرو میں ایک بار پھر ظلم وستم، غصب اور غارتگری کا دور دورہ ہے، یزید حسینؑ سے بیعت کا طلبگار ہے اور حسینؑ چودہ سو برس پہلے ہی کے فیصلہ کن انداز میں ایک بار ''نہیں'' کہتے ہیں۔ یزید امام وقت کے قتل کا حکم صادر کرتا ہے اور امامِ وقت اپنی عورتوں اور معصوم بچوں کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر مکہ آنے پر مجبور ہے۔

یزید نے کیا کیا؟

''فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِيْنَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حَاذِرُوْنَ۔ (سورۂ شعراء، آیات: ۵۶-۵۳)

انبیاء کی تحریک کے مقاصد میں ایک مقصد انحراف کے تسلط سے بچاؤ تھا۔ زمانہ میں جب مختلف مضرت رساں اسباب کے نتیجہ میں انسانیت کا قافلہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے تو ایسے حالات میں خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے ایک جہاد کا آغاز کرتا ہے تاکہ دینِ الٰہی کے منور اور شفاف چہرے پر جو فساد اور انحراف کے داغ پڑ گئے ہیں انہیں دور کردے۔

جس وقت امام حسینؑ نے تحریکِ کربلا کی ابتدا کی، اس وقت خدا کا آخری کامل ترین دین اسلام انحراف کے دہانے پر کھڑا تھا۔ مسندِ خلافت پر یزید کا قبضہ تھا، وہ ''خلیفہ'' کے نام سے مسلمانوں کا دینی رہنما تھا اور اس کا ہر عمل تمام مسلمانوں کے لئے مثالی اور نمونہ سمجھا جاتا تھا اور یہ خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا کہ کسی وقت بھی صحیح اسلام کی صورت بدل جائے گی۔ ایسی صورت میں حسینؑ چاہتے تھے کہ اپنا خون،

علی اکبرؑ، علی اصغرؑ، قاسمؑ وعباسؑ کا خون نیز زینبؑ وام کلثوم کی چادر دے کر، غرض کہ کسی بھی قیمت پر ''خلافت'' کے نام سے موجودہ حکومت کو اس طرح رسوا کر دیا جائے کہ اگر وہ مٹ نہ بھی سکے تو کم از کم خلیفہ کو مسلمانوں کا ''دینی خلیفہ'' کسی طرح نہ مانا جائے اور خلیفہ کی شخصیت اسلامی تعلیمات سے قطعی الگ ہو جائے۔ حسینؑ کو اپنے اس مقصد میں زبردست کامیابی ہوئی۔ یزید سے پہلے جو خلفاء تھے حتیٰ کہ معاویہ تک مثالی اور نمونے سمجھے جاتے تھے، مگر یزید اور اس کے بعد کے خلفاء اسلامی تعلیمات سے اس قدر مختلف نظر آنے لگے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جو نگاہ احترام سے انھیں دیکھے۔ معرکۂ کربلا کا یہ ایک عظیم ترین کارنامہ تھا۔ حسینؑ نے حکومتی اسلام کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تا کہ ''اسلام محمدیؐ''، محفوظ و مستحکم رہے۔

سرداد و نه داد دست در دستِ یزید
حقا که بنائے لا اله است حسینؑ

کربلا کی برکت سے اس میدان میں حسینی کارنامہ کو دوام حاصل ہے۔ جس دور میں بھی یہ احساس ہوا ہے کہ اصل اسلام فراموش ہو رہا ہے، علمائے اسلام تحفظ اسلام کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر لئے میدان میں آ گئے ہیں۔ آج بھی ملک خالد جیسوں کے اسلام کے ذریعہ سے بتدریج یہ خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ اصل اسلام فراموش کر دیا جائے گا۔ ملک خالد جیسوں کے اسلام اور رابطہ العالم الاسلامی کو دنیا کے سامنے اسلام کے نام سے پیش کیا گیا مگر امام خمینی کی سربراہی میں ایران کے عظیم انقلاب نے اچانک اس طلسم کو توڑ دیا اور دنیا کو دکھایا کہ امریکی اسلام اس اسلام محمدی اور اصل اسلام سے مختلف ہے جس کے نگہبان حسینؑ تھے۔ ثروت ونخوت اور ریاکاری کا اسلام اسلام نہیں ہے، بلکہ اسلام وہ ہے جو کمزوروں کا حامی ہو اور مشرق ومغرب کی قوتوں سے مقابلہ کرنے والا ہو، ان کا خادم نہ ہو۔

سچ تو یہ کہ اثر کربلا ابھی باقی ہے............

حسینؑ کے مقصد سے متعلق محمد بن حنفیہ کے نام حسینؑ کی وصیت ایک زندہ اور بولتی سند ہے جس میں انہوں نے اپنے اصل مقصد کی تفصیل اور مکمل حکمت عملی کی تشریح کی ہے۔ وصیت نامہ یہ ہے:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ هٰذه ما وَصى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی اَخِيْه مُحَمَّدٍ الْمَعْرُوف بِالْحَنَفِيةِ اِن الْحُسَينَ يَشهَدُ اَنْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدَهٗ وَرَسُوْلُهٗ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ الْحَقِّ وَاِنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ حَقٌّ وَاِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ وَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا مُفْسِدًا وَّلَا ظَالِمًا وَّاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ (ص) اُرِيْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَّاَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسِيْرُ بِسِيْرَةِ جَدِّیْ وَاَبِیْ فَمَنْ قَبِلَنِیْ بِقَبُوْلِ الْحَقِّ فَاللّٰهُ اَولٰی بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلٰی هٰذَا اَصْبِرُ حَتّٰی يَقْضِیَ اللّٰهُ بَيْنِیْ وَبَيْنَ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ۔''

[میں حسینؑ ابن علیؑ یہ وصیت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام کرر ہا ہوں۔ خدا کی یگانگی اور وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ بہشت اور دوزخ حق ہیں اور قیامت کے دن خدا سب کو اٹھائے گا۔ باطل کے مقابل میں قیام کا مقصد راحت طلبی یا آرام نہیں ہے بلکہ میرا مقصد امت کی اصلاح اور معاشرے کو انحراف سے بچانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ''اچھائیوں'' کی ہدایت کروں اور ''برائیوں'' سے باز رکھوں، میرا شیوہ میرے نانا اور میرے والد علیؑ کی مانند ہے۔ لہٰذا جو میرے مقصد اور میرے لائحہ عمل کو جان لے اور میرے ساتھ تعاون کرے، وہ سعادت پائے گا اور جو اس کو رد کرے تو میں تحمل کروں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور میری قوم کے درمیان صحیح فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

رباعیات

ماتی جائسی

اے کافر نعمت یہ غرور و تمکیں
جھکتی ہی نہیں شکرِ الٰہی میں جبیں
جو تجھ کو ملا عطا ہے اس کی ورنہ
اللہ پہ کچھ قرض تو بندے کا نہیں

یہ خدمتِ گہوارہ سعادت ہوگی
اِک صورت تائید مشیّت ہوگی
ظلمت میں اُجالے کے لئے اے جبریل
قدرت کو حسینؑ کی ضرورت ہوگی